itsurdu.blogspot.com

ادبی خزانہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com
allurdupdfnovels.blogspot.com

ہم چاہتے ہیں کہ اردو کا ہر ناول ہر کتاب ہر افسانہ اور ہر تحریر آپ کی دسترس میں ہو-اس کے لئے ہمیں آپ کی ضرورت ہے- آپ کچھ بھی لکھیں ہمیں بھیجیں ہم اسے اپنے بلوگ پر اپ لوڈ کر دیں گے۔ کچھ بھی ہو ہم اسے پی ڈی ایف میں کنورٹ کر کے کتابی شکل میں ڈھال لیں گے۔الحمداللہ ہمارے بلوگ پر ۳۵۰۰ سے زائدکتابوں کے ایکٹو لنک موجود ہیں، اور ہماری سائٹ ڈیلی آپ ڈیٹ ہوتی ہے۔ تو چلئیے پھر قلم اٹھائیں اور شروع ہو جائیں، اپنی تحریر نیچے دئے گئے ای میل اڈریس پر بھجیں۔ کیونکہ ہم دیر نہیں کرتے،

itsurdu.blogspot.com

khalidjee@hotmail.com

itsurdu.blogspot.com

کرشن چندر

قسط:03

"لڑکا ڈھونڈ لیا؟" جیون رام نے مری ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ہاں۔" طوطا رام کوئل کی طرح کوکتے ہوئے بولا۔ "اس نے خود ہی اپنا بَر پسند کر لیا، کالج میں۔ لڑکا بڑا امیر ہے۔"

جب طوطا رام چلا گیا تو جیون رام نے برا سا منہ بنایا اور طوطا رام کی پتلی آواز کی نقل کرتے ہوئے بولا۔ "اس نے خود ہی اپنا بَر پسند کر لیا... چہ؟" پھر وہ زور سے فرش پر تھوکتے ہوئے بولا۔ "حرام زادہ..."

دو سال گزر گئے۔ رائماوتی اب ناصر عباس روڈ کی ایک فرم میں ٹائپسٹ تھی۔ وہ پہلے سے زیادہ خاموش، باوقار اور محنتی ہو گئی تھی، اس کے گھر کی حالت بھی اچھی ہو گئی کیونکہ رائماوتی گھر میں سو روپے لاتی تھی۔ دفتر کے کام سے فارغ ہو کر وہ اسٹینو کا کام سیکھنے جاتی تھی۔ بی اے کرنے کا ارادہ بھی رکھتی تھی۔

گھر کی حالت ذرا بہتر ہونے پر جیون رام اور پاروتی نے رائماوتی کے بَر کے لیے زیادہ اعتماد سے کوشش شروع کر دی تھی۔ وہ رائماوتی کی تنخواہ میں سے بہت کم خرچ کرتے تھے اور اسکوٹر کے لیے پیسے جمع کر رہے تھے۔

بہت دنوں کے بعد جیون رام ایک لڑکے کے والدین کو اسکوٹر کا لالچ دے کر گھیرنے میں کامیاب ہوا۔ منگنی کی رقم، بیان کا جہیز، جہیز کی نقدی، جہیز کا سونا، ساری ہی ضروری باتیں طے ہو گئیں تو واجو مل جو لڑکے کا نام تھا اور واقعی شکل وصورت میں اجلا اور خوبصورت تھا، اپنی ہونے والی بیوی کو دیکھنے آیا۔

واجو مل نے گہرے برائون رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس کی سنہری رنگت پر اس کے سیاہ گھنگریالے بال بے حد خوبصورت معلوم ہوتے تھے، اس کی قمیض سے کف کے باہر اس کے ہاتھ بڑے مضبوط اور خوبصورت لگتے تھے اور جب وہ سجی سجائی رائماوتی کی طرف دیکھ کر مسکراتا تو اندر ہی اندر اس معصوم لڑکی کا دل پگھل گیا اور چائے کی پیالی اس کے ہاتھوں میں بجنے لگی اور بڑی مشکل سے وہ چائے کی پیالی واجو مل کو پیش کر سکی۔

واجو مل چائے پی کر اور شکریہ ادا کر کے بڑی سعادت مندی سے رخصت ہو گیا، اپنی بہنوں کے ساتھ۔ دوسرے دن اس کی بہنوں نے کہلا بھیجا "لڑکی پسند نہیں" اس رات رائماوتی نہ سو سکی۔ رات بھر واجو مل کے ہاتھوں کا خفیف سا لمس اس کی روح کو گدگداتا رہا۔

"لڑکی پسند نہیں... اونہہ۔ پاروتی غصے سے ساگ کو کڑاہی میں بھونتے ہوئی بولی۔ "اور خود تو بڑا یوسف ہے۔ اپنی رنگت پر بڑا اترا تا ہے۔ مگر اپنی پکوڑا جیسی ناک نہیں دیکھتا؟ اور اپنے حبشیوں جیسے گھنگریالے بال نہیں دیکھتا۔ ڈاڈا، شیدی، اپنی بہنوں کو نہیں دیکھتا؟ ایک تو بھینگی تھی، صفا بھینگی۔ دوسری پوڈر سرخی کی ماری، صورت کی چوہیا لگتی تھی۔ تیسری کے بال دیکھے تھے تم نے؟ جیسے بنئے کی بوری کے پھوسڑے۔ اونہہ لڑکی پسند نہیں"... یہ کہہ کر اس نے اتنے زور سے کڑاہی میں کرچھی چلائی، جیسے وہ ساگ کے بجائے اس لڑکے کو بھون رہی ہو۔

پاروتی نے محسوس کیا کہ اس کے گھر والوں بلکہ گھر کے باہر محلے والوں اور شاید دفتر والوں کا بھی خیال تھا کہ رائماوتی کچھ محسوس ہی نہیں کرتی بلکہ دفتر کے کام کے لیے نہایت مناسب لڑکی ہے۔ نہ کسی سے عشق کرے، نہ کسی کو عشق کی ترغیب دے۔ دن بہ دن اس کی آنکھیں میلی، ہونٹ سکڑے ہوئے اچور چہرہ دھواں دھواں ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی صورت ایسی ٹھنڈی اور ٹھس نکل آئی تھی کہ اسے دیکھ کر کسی برف خانے کا امکان ہونے لگا تھا۔ کلرک آپس میں چہ میگوئیاں کرتے ہوئے کہتے: "جو آدمی رائماوتی سے شادی کرے گا اسے پہاڑ پر جانے کی ضرورت نہ ہو گی۔"

اس لیے رائماوتی کے انکار کرنے پر رائماوتی کے دل پر کیا بیتی، یہ تو کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ پہلی بار اس نے زندگی میں کسی کو دل دیا تھا اور یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ ہوتا بھی کیسے؟ اور کہتی بھی کیا کسی سے؟ کہ جسے میں نے چاہا وہ مجھے دیکھنے آیا تھا اور ناپسند کر کے چلا گیا۔ لوگ تو عشق میں روتے ہیں۔ وہ بے چاری کچھ کہہ بھی نہ سکتی تھی۔

اس دن اس نے دفتر میں اوور ٹائم کیا اور جب اندھیرا خاصا بڑھ گیا تو وہ دفتر سے باہر نکلی اور اپنا بھورے رنگ کا پرس جھلاتی ہوئی سامنے ناصر عباس پارک میں چلی گئی اور ایک بینچ پر تنہا بیٹھ گئی۔ یہ پارک دہلی گیٹ کے سامنے ایک چھوٹا سا خاموش گوشہ تھا۔ چند پیڑ تھے، چند بنچیں تھیں، چند قطعے تھے گھاس کے... ان کے چاروں طرف ٹریفک کا شور تھا۔ مگر آج یہاں نسبتاً خاموشی تھی۔ رائماوتی ہر روز یہاں آتی تھی اور آدھ پون گھنٹہ اکیلے بیٹھ کر تازہ دم ہوتی تھی۔

تھوڑے عرصے کے لیے اپنے خیالوں کی لہروں پر دور تک تیرتی ہوئی نکل جاتی... اسے تنہائی سے ڈر نہ لگتا تھا۔ تنہائی اس کا واحد سہارا تھی۔ اندھیرے سے ڈر نہ لگتا تھا بلکہ اندھیرا اس کا دوست تھا۔ غنڈوں سے اسے ڈر نہ لگتا تھا۔ جانے اس کی شخصیت میں کون سی ایسی بات تھی کہ غنڈے بھی اسے دور ہی سے سونگھ کر چل دیتے تھے، کترا کر نکل جاتے تھے۔

آج اندھیرا گہرا تھا اور پیڑ کے نیچے گہری خاموشی۔ پتھر کا بنچ بھی خوب ٹھنڈا تھا۔ چند منٹ تک رائماوتی خاموشی سے اس بنچ پر بیٹھی رہی مگر جب اس کی تھکان نہ گئی تو وہ اٹھ کر پیڑ کے نیچے چلی گئی اور تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور آنکھیں بند کر لیں۔

یکایک کسی نے اس سے کہا۔ "تم یہاں یوں بیٹھی ہو... اکیلی؟"

رائماوتی نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے واجو مل مسکرا رہا تھا۔ وہی خوبصورت برائون سوٹ پہنے، وہی سپید دانتوں والی جگمگاتی ہوئی مسکراہٹ لیے... اس کے ہاتھ اتنے ہی خوبصورت تھے... رائماوتی کے حلق میں کوئی چیز آ کے رکنے لگی۔ وہ بول نہ سکی۔ (جاری ہے)

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

واجو مل اس کے قریب آ کے بیٹھ گیا۔اس نے آہستہ سے پوچھا۔ ”کیسی ہو؟“

رائماوتی نے آہستہ سے سر ہلایا۔اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

”بہت برا لگ رہا ہے نا؟“

رائماوتی نے پھر ہاں کے انداز میں آہستہ سے سر ہلا دیا اور آنسو چھلک کر اس کے گالوں پر آ گئے اور وہ رونے لگی۔واجو مل نے اپنے کوٹ کی جیب سے رومال نکالا اور اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔ ”مگر اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ ہر انسان کو اپنی پسند یا ناپسند کا حق ہے۔بتاؤ حق ہے کہ نہیں۔“

”مگر تم نے کیا دیکھا تھا میرا؟ جو تم نے مجھے ناپسند کر دیا۔ کیا تم نے میرے ہاتھ کا پھلکا کھایا تھا؟ میرا مٹر پلاؤ چکھا تھا؟ کیا تم نے میرے دل کا درد دیکھا تھا؟ تم نے میرے چہرے کا صرف سپاٹ پن دیکھا۔ تم نے وہ ہاتھ کیوں نہیں دیکھے جو زندگی بھر تمہارے پاؤں دھوتے،اور وہ بٹن جو میں تمہاری قمیض پر کاڑھنے والی تھی، تم میرے جسم کی رنگت سے ڈر گئے۔ تم نے اس سوئٹر کا اجلا رنگ نہ دیکھا جو میں تمہارے لیے بننا چاہتی تھی۔واجو مل تم نے میری ہنسی نہیں سنی۔ میرے آنسو نہیں دیکھے۔میری انگلیوں کے لمس کو اپنے خوبصورت بالوں میں محسوس نہیں کیا۔ کنوارے جسم کو اپنے ہاتھوں میں لرزتے ہوئے نہیں دیکھا تو پھر تم نے کس طرح مجھے ناپسند کر دیا تھا؟

ارے،اتنی لمبی تقریر وہ کیسے کر گئی؟ اتنا سب کچھ وہ کیسے کہہ گئی؟ بس اسے اتنا معلوم تھا کہ وہ رو رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی اور اس کا سر واجو مل کے کندھے پر تھا اور واجو مل اپنی غلطی پر نادم اس کے شانوں کو ہولے ہولے تھپک رہا تھا۔

اس دن وہ بہت دیر سے گھر پہنچی اور جب اس کی ماں پاروتی نے اس سے پوچھا تو اس نے کمال بے پروائی سے کہہ دیا۔ ”دفتر میں دیر ہو گئی۔“ پھر پرس کو زور سے اچھال کر پلنگ پر پھینک دیا اور اس اعتماد سے کھانا مانگنے لگی کہ اس کی ماں چونک گئی،اس کا باپ چونک گیا۔آج رائماوتی کی روئی ہوئی آنکھوں کی تہہ میں خوشی کی ایک ہلکی سی لکیر تھی۔ جیسے گہرے بادلوں میں کبھی کبھی بجلی کوند جاتی ہے۔

پاروتی نے اپنے ہونٹ چبا کر چالاک نگاہوں سے اپنے خاوند کی طرف اس طرح دیکھا، جیسے اس نے بیٹی کا راز بھانپ لیا ہو... جیون رام نے بھی ایک پل کے لیے مسرور نگاہوں سے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی تھالی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ضرور کوئی بات ہے...اور رائماوتی چونکہ عورت ہے،اس لیے اس بات کی تہہ میں ضرور کوئی مرد ہے۔ایسا دونوں میاں بیوی نے اسی لمحہ سوچ لیا۔آٹھ دس روز کے بعد اس شبہ کو اور تقویت پہنچی۔ جب ایک لڑکا اپنی ماں کے ساتھ رائماوتی کو دیکھنے کے لیے آیا،اس لڑکے کی ماں پاروتی کی بچپن کی سہیلی تھی،اور کیسے کیسے جتن اور کس کس طرح کے واسطے دے کر پاروتی نے اسے شیشے میں اتارا تھا۔یہ صرف رائماوتی ہی جانتی تھی۔اس لیے جب اس موقع پر لڑکے کی بجائے رائماوتی نے شادی سے انکار کر دیا تھا تو پہلے تو پاروتی اچنبھے میں رہ گئی۔ پھر اس کے دل میں وہ شبہ اور تقویت پکڑتا چلا گیا... ضرور کوئی ہے...!(جاری ہے)

کرشن چندر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

شہزادہ

ادبی خزانہ

بڑے ادیبوں کی شاہکار تحریروں سے انتخاب

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کرشن چندر

وہ چپکے چپکے اپنی بیٹی کے لیے جہیز کا سامان تیار کرنے لگی اور جیون رام حقہ پیتے پیتے اس دن کا انتظار کرنے لگا، جب رائماوتی چپکے سے آکر پاروتی سے سب بات کہہ دے گی۔

اور بڈھا جیون رام پہلے تو لال پیلی آنکھیں نکال کر رائماوتی کو گھورنے لگا۔ ''تیری یہ ہمت، کہ تو نے ہم سے بالا بالا ہی اپنے لیے بَر پسند کر لیا؟ نکال دوں گا گھر سے، اور چٹیاں کاٹ کر پھینک دوں گا، ہمارے خاندان کی ناک کٹانے والی... پھر وہ پاروتی کے سمجھانے بجھانے پر خود ہی نرم پڑ جائے گا اور آخر میں حقہ گڑگڑاتے ہوئے پوچھے گا۔ ''مگر کون ہے وہ...؟

اور اب کوئی بھی ہو، وہ رائماوتی کے بتاتے ہی جلد سے جلد اس کے ہاتھ پیلے کر دے گا۔ پچیس برس کی جوان لڑکی کو گھر میں رکھنا ٹھیک نہیں۔

دن گزر گئے۔ سال گزر گئے۔ مگر رائماوتی نے کچھ نہ بتایا۔ اس کی ماں انتظار کرتی رہی، مگر وہ جنم جلی کبھی کچھ منہ سے نہ پھوٹی۔ تھک ہار کر اس کے ماں باپ نے پھر دو تین بَر ڈھونڈے۔ مگر رائماوتی نے صاف انکار کر دیا۔ آخری بَر، جو اس کے باپ نے ڈھونڈا۔ وہ ایک رنڈوے حلوائی کا تھا، جس کی عمر 56 سال سے تجاوز کر چکی تھی۔

اس روز شفق کے ڈھلتے ہوئے سایوں میں گلابی انگلیوں والی مہکتی شام میں رائماوتی نے واجو مل کو بتایا۔ ''وہ لوگ آج میرے لیے ایک بڈھا حلوائی ڈھونڈ کے لائے تھے۔''

''پھر؟'' واجو مل نے ہنس کر پوچھا۔

''میں نے صاف انکار کر دیا۔''

''تو نے انکار کیوں کر دیا پگلی۔ شادی کر لیتی تو زندگی بھر آرام سے بیٹھی مٹھائی کھاتی۔''

''اور تمہیں چھوڑ دیتی؟'' رائماوتی نے پیار بھرے غصے سے واجو مل کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میں نے بھی تو اس سے شادی نہیں کی؟'' واجو مل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''تو کیا ہوا؟'' رائماوتی مسکراتے ہوئے بولی۔ ''تم میرے پاس تو ہو، شادی سے بھی زیادہ میرے پاس... ہر وقت میری مٹھی میں گویا...''

واجو مل ہنس کر بولا۔ ''ہاں یہ تو صحیح ہے، میں بالکل تمہاری مٹھی میں ہوں، جب چاہو بلا لو۔''

''شروع میں تو تم ایسے نہ تھے۔'' رائماوتی، واجو مل کی طرف چنچل نگاہوں سے دیکھ کر بولی۔ ''شروع میں تو بڑی مشکل سے میرے پاس آیا کرتے تھے۔''

''شروع میں ایسا پیار بھی تو نہ تھا اور کسی کے دل کو سمجھنے میں دیر بھی تو لگتی ہے۔''

واجو مل نے رائماوتی کے کانوں میں سرگوشی کی اور رائماوتی کی آنکھیں شدت احساس سے بند ہونے لگیں۔

''کل کہاں ملو گے؟''

''جہاں تم کہو... لورز لین میں؟''

''او نہوں!''

''کوٹلے میں گھوڑوں کی نمائش ہو رہی ہے۔''

''میں کیا گھوڑے خرید کر پالوں گی؟'' رائماوتی ہنسی۔

''اولڈ ہال میں ادیبوں کی نمائش ہے۔''

''نا بابا!'' رائماوتی نے کانوں پر ہاتھ رکھے۔

واجو مل خاموش ہو گیا۔

پھر رائماوتی خود ہی بولی۔ ''کل پکچر دیکھیں گے، بسنت سینما میں بہت اچھی پکچر لگی ہے، میں دو ٹکٹ خرید رکھوں گی۔ تم ٹھیک پونے چھ بجے وہاں پہنچ جانا۔''

''ٹکٹ میں خرید لوں گا۔''

''نہیں یہ پکچر تو میں دکھاؤں گی۔ تم کوئی دوسری دکھا دینا۔ میں اب منع کرتی ہوں... مگر بھولنا نہیں، کل شام پونے چھ بجے بسنت سینما کے باہر۔''

بسنت سینما کے باہر بہت بھیڑ تھی۔ رائماوتی نے دو ٹکٹ خرید لیے تھے اور اب وہ واجو مل کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے احتیاطاً آدھا پاؤ چلغوزے اور ایک چھٹانک کشمش بھی لے لی۔ سینما دیکھتے دیکھتے کھانے کا اسے ہوکا سا تھا۔

پونے چھ ہو گئے۔ چھ ہو گئے۔ پچھلے شو کے چھوٹنے کے بعد لوگ چلے گئے۔ نئے لوگ شو دیکھنے کے لیے آنے لگے۔ واجو مل نہیں آیا۔ چاروں طرف روشنیاں تھیں۔ لوگوں کی بھیڑ و خوانچے والوں کی بلند آوازیں تھی۔ تانگے، موٹروں اور رکشاؤں کا ہجوم تھا اور واجو مل ہجوم کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اب وہ اس کی طبیعت سمجھ گئی تھی۔ اسے خاموشی پسند تھی۔ اندھیرا پسند تھا۔ تنہائی پسند تھی... واجو مل بے حد حساس اور نفاست پسند تھا۔

سوا چھ کے قریب وہ سینما ہال میں جا بیٹھی۔ اس نے اپنے ساتھ والی سیٹ پر اپنا رومال رکھ دیا۔ چلغوزوں اور کشمش کے لفافے بھی۔ ہولے ہولے ہال بھر گیا۔ مگر واجو مل نہیں آیا۔ پھر جب ہال کی روشنیاں گل ہو گئیں اور پکچر شروع ہو گئی تو رائماوتی نے واجو مل کا ہاتھ اپنے ہاتھ پر محسوس کیا۔ وہ اندھیرے میں چپکے سے آکر ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

رائماوتی نے اس کے ہاتھ کو دباتے ہوئے کہا۔

''بڑی راہ دکھاتے ہو۔''

''سوری!'' واجو مل کے لہجے میں بے حد ملامت تھی۔

''میں تمہارے لیے چلغوزے اور کشمش لائی ہوں، کھاؤ...''

واجو مل نے کشمش کے چند دانے اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال لیے اور رائماوتی مسرت کا گہرا سانس لے کر تصویر دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔ اب باتیں کرنے کا لمحہ نہ تھا۔ وہ محسوس کر سکتی تھی کہ واجو مل کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اس کے ساتھ کرسی پر بیٹھا ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنا سر اس کے شانے پر رکھ دیتی۔ واجو مل سرگوشی میں کہتا۔

''میرے کندھے پر سر رکھ دینے سے تمہیں کیا نظر آتا ہے؟ تصویر تو نظر آتی نہ ہو گی؟''

''وہ تصویر نظر آتی ہے جو اس ہال میں بیٹھا ہوا کوئی آدمی نہیں دیکھ سکتا۔'' رائماوتی نے بڑی گہری مسرت سے کہا۔

آہستہ آہستہ ہر شخص نے تبدیلی محسوس کی۔ رائماوتی کی میلی میلی آنکھیں اُجلی ہوتی گئیں اور پھر ان میں کاجل لگا کر اس نے دنبالہ کھینچا تو وہی اُجلی آنکھیں تلوار کی دھار کی طرح کٹیلی ہو گئیں۔ سینے کا اُبھار واضح ہونے لگا۔ کمر لچکنے لگی اور چال میں کولہوں کا مدور بہاؤ شامل ہوتا گیا۔ وہ دن بہ دن حسین اور دل کش ہوتی گئی۔ اب اس کے کپڑے انتہائی صاف ستھرے ہوتے گئے۔ ہوتے تھے کم قیمت کے، مگر بے حد عمدہ سلے ہوئے ہوتے تھے۔ رائماوتی کو یہ توفیق نہ تھی کہ وہ کسی اچھے درزی کے پاس جا سکے مگر خود ہی اس نے درزی کا کام سیکھ لیا تھا اور بہت کم لڑکیاں کٹائی اور نئے لباس کی تراش اور ڈیزائن میں اس کا مقابلہ کر سکتی تھیں۔ مگر اس نے کبھی کسی کو نہیں بتایا کہ وہ یہ کپڑے خود اپنے ہاتھ سے کاٹ کر تیار کرتی ہے۔ اس کے دفتر کی جب کوئی دوسری لڑکی اس کے لباس کی تعریف کرتی تو رائماوتی جھٹ کسی مہنگے درزی کا نام بتا دیتی۔ جہاں صرف امیر ترین فیشن ایبل عورتوں کے کپڑے تیار ہوتے تھے اور اس کے دفتر کی لڑکیاں جل کر خاک ہو جاتیں۔ اور رائماوتی سے رشک اور حسد کے ملے جلے انداز میں پوچھتیں۔

''کیسا ہے وہ تیرا؟''

''گورا رنگ ہے، بال گھنگریالے ہیں، ہنستا ہے تو موتی جھڑتے ہیں۔'' رائماوتی جواب دیتی۔

''کیا تنخواہ لیتا ہے؟''

''بارہ سو۔''

''بارہ سو؟'' لڑکیاں چیخ کر پوچھتیں۔ ''بارہ سو تو ہماری فرم کے منیجر کی تنخواہ ہے۔'' (جاری ہے)

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

شہزادہ

ادبی خزانہ

بڑے ادیبوں کی شاہکار تحریروں سے انتخاب

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

قسط:6

"وہ بھی ایک فرم میں منیجر ہے۔" رائماوتی جواب دیتی۔

"اری ہمیں دکھائے گی نہیں؟" "بس ایک بار دکھادے... ہم دیکھ لیں کیسا ہے تمہارا وہ!"

"دکھا بھی دوں گی، کہو تو دفتر میں بلا کے دکھادوں!"

یہ تو اس نے یونہی کہہ دیا تھا۔ ورنہ رائماوتی کہاں واجو مل کو دکھانے والی تھی۔ وہ مر جاتی مگر اپنے واجو مل کو نہ دکھاتی۔ ان لونڈیوں کا کیا بھروسہ...؟ مگر رائماوتی نے دفتر میں بلانے کی دھمکی اس کامل اعتماد سے دے دی تھی کہ اس سے آگے پوچھنے کی ہمت لڑکیوں کو نہ ہوئی اور وہ جل کر خاموش رہ گئیں۔

رائماوتی کا بوڑھا باپ کڑھ کڑھ کر مر گیا۔ کیوں کہ رائماوتی شادی نہ کرتی تھی اور محلے والے طرح طرح کی چہ مگوئیاں کرتے تھے۔ اور رائماوتی کا باپ اپنی بیٹی کو کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ کیونکہ رائماوتی جوان اور بالغ تھی اور خود مختار بھی تھی۔ اب وہ گھر میں دو سو روپے لاتی... رائماوتی کا باپ مر گیا اور اس کے مرنے کے بعد اگلے چند سالوں میں رائماوتی کے بھائیوں کی شادیاں ہو گئیں اور وہ لوگ اپنی اپنی بیویاں لے کر اپنی اپنی ملازمتوں کے ٹھکانوں پر چلے گئے۔ پھر اس کی چھوٹی بہن شانتاوتی کی بھی شادی ہو گئی۔ پھر اس کی ماں بھی اپنی بڑی بیٹی کے کنوارپنے کے غم میں سلگ سلگ کر مر گئی اور رائماوتی اس غم میں اکیلی رہ گئی۔ چند ماہ کے بعد اس نے وہ گھر بھی چھوڑ دیا اور سول لائنز میں ایک عمدہ مکان کی دوسری منزل میں دو کمرے لے کر پے انگ گیسٹ (Paying Guest) کے طور پر رہنے لگی۔ اس کے رہنے کے حصے کا دروازہ الگ سے باہر نکلتا تھا اور اب وہ اپنی نقل و حرکت میں مکمل خود مختار تھی۔ اب وہ پینتیس برس کی ہو چکی تھی مگر مشکل سے تیس برس کی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی اور آنکھوں میں خوشیوں کے سائے ناچتے رہتے۔ وہ پہلے سے زیادہ سنجیدہ اور باوقار ہو گئی تھی۔ وہ اسٹینو بھی ہو گئی تھی۔ اس نے بی اے بھی کر لیا تھا۔ اس کی تنخواہ بھی بڑھ گئی تھی اور کتابیں پڑھنے کا شوق بھی...

اب وہ خوش حال اور آرام دہ اور سکون آمیز زندگی بسر کر رہی تھی۔ کئی سال سے وہ اپنی مانگ میں سیندور بھر رہی تھی اور ماتھے پر سہاگ کی بندیا سجاتی تھی اور لوگوں کو یہ تو معلوم نہ تھا کہ اس کی شادی کہاں ہوئی ہے؟ اور کون اس کا خاوند ہے؟ مگر لوگ اتنا جانتے تھے کوئی اس کا ہے، جس کے ساتھ وہ اپنی شامیں گزارتی ہے۔ بلکہ لوگ تو یہاں تک کہتے سنے گئے کہ جو کوئی بھی وہ ہے، اس کی اپنی کچھ وجوہ ہیں، جن کی وجہ سے ان دونوں کی شادی نہیں ہوئی۔ مگر وہ دونوں ہر شام کی تنہائیوں میں ملتے ہیں اور جب دنیا سو جاتی ہے اور جب کوئی کسی کو نہیں دیکھتا۔ جب چاروں طرف نیند غالب آجاتی ہے۔ ان غنودگی سے لبریز لمحوں میں کوئی رائماوتی کے یہاں آتا ہے، ہولے سے دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور خاموشی سے اندر آجاتا ہے... لوگوں نے اسے دیکھا نہیں تھا۔ مگر لوگوں کا خیال یہی تھا۔ وہ رائماوتی سے کچھ کہتے نہیں تھے۔ کیوں کہ رائماوتی اب ایک سنجیدہ اور باوقار عورت بن چکی تھی اور جس کے ماتھے پر سیندور کا یہ بڑا ٹیکا جگمگاتا ہو، اسے کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟ (جاری ہے)

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ادبی خزانہ

بڑے ادیبوں کی شاہکار تحریروں سے انتخاب

شہزادہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کرشن چندر

وہ شام رائماوتی کی چالیسویں سالگرہ کی شام تھی اور وہ شام کئی وجوہ سے رائماوتی کو کبھی نہیں بھولتی۔ رائماوتی، واجو مل کو متھرا روڈ کے جاپانی گارڈن میں لے گئی تھی۔ جس پر باغ کی بجائے کسی خوبصورت منظر کا شبہ ہوتا تھا۔ شفق نے چوٹ کھائی ہوئی عورت کی طرح اپنا منہ چھپالیا تھا اور رات کی سانولی زلفیں افق پر بکھیر دی تھیں۔ ہولے ہولے تارے نمودار ہونے لگے۔ آج رائماوتی بہت خاموش تھی۔ واجو مل چپ چاپ سا تھا...

وہ اب بھی اسی طرح خوبصورت تھا۔ جیسے جوانی میں تھا۔ اب بھی وہ روز اسی پرائون سوٹ میں آکر رائماوتی سے ملتا تھا کہ رائماوتی کا حکم یہی تھا۔ اسے دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ واجو مل پر زندگی کے بہائونے اور وقت کے گھائونے زیادہ نشان نہیں چھوڑے۔ صرف کنپٹیوں پر سفید بال آگئے ہیں جو اس کی صورت کو اور بھی باوقار اور وجیہہ بناتے تھے اور وہ ایک چھڑی لے کر چلتا تھا جو اس کی پچاسویں سالگرہ پر خود رائماوتی نے اسے تحفے میں دی تھی۔ ورنہ اس کے علاوہ اس کی صورت شکل میں، کردار اور گفتار میں کسی طرح کا فرق نہ آیا تھا۔ وہ پہلے ہی کی طرح اتنا حسین، دل کش اور دل نواز تھا کہ اسے دیکھتے ہی رائماوتی کے دل میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگتی تھیں۔ اتنا وقت گزر جانے کے بعد آج بھی اسے دیکھ کر رائماوتی کا دل اتنے زور سے دھک دھک کرنے لگا تھا کہ جتنا کہ پہلے روز...

واجو مل نے آہستہ سے پوچھا: ''تم نے مجھ سے شادی کیوں نہیں کی؟''

''ایک دفعہ انکار کرنے کے بعد...؟'' رائماوتی نے ہولے سے کہا: ''تم سے شادی نہیں کی جاسکتی تھی صرف محبت کی جاسکتی تھی... اب تم یہ کیسے جان سکوگے کہ جس دن تم نے انکار کیا تھا، اسی دن سے تم میرے ہوگئے تھے... اتنا جاننے کے لئے عورت کا دل چاہئے۔''

واجو مل خاموش رہا۔ بہت دیر کے بعد بولا: ''آج تو تم چالیس سال کی ہو چکی ہو، کیا تمہیں افسوس نہیں ہوتا کہ تم نے مجھ سے شادی نہیں کی...!''

یہ سن کر رائماوتی بھی خاموش ہوگئی۔ اتنی دیر خاموش رہی کہ واجو مل کو گمان گزرا کہ کہیں رائماوتی اندر ہی اندر رو رہی ہے۔

''رائماوتی'' اس نے آہستہ سے اس کا شانہ ہلایا۔

''میں سوچ رہی تھی۔'' رائماوتی ہولے سے بولی... ''تم سے شادی نہ کرکے میں نے کیا کھویا ہے... کیا کوئی شام ایسی تھی؟ جو میں نے تمہارے ساتھ نہ گزاری ہو۔ سوچو تو کہاں کہاں ہم نہیں گئے؟ جہاں جہاں میں نے تمہیں بلایا، کیا تم وہاں نہیں پہنچے؟'' اور جس وقت بھی بلایا کیا، اسی وقت سب کام چھوڑ کر تم نہیں آئے؟ اگر شادی کا نام رفاقت ہے تو وہ مجھے حاصل ہے...

''پھر یہ بھی سوچو کہ اس طویل رفاقت میں میرا تمہارا ایک بار بھی جھگڑا نہیں ہوا۔ میں نے تمہیں ہمیشہ مہربان اور مسکراتے ہوئے پایا۔ سالہا سال جب میرے ہاتھوں کو تمہارے ہاتھوں کی ضرورت ہوئی، ان کے لمس کی گرمی، میں نے اپنے جسم کے روئیں روئیں میں محسوس کی... تمہارے پھول میری زلفوں میں رہے۔ تمہارے بوسے میرے ہونٹوں پر۔ تمہاری وفا میرے دل میں... کیا کوئی عورت محبت میں اس سے زیادہ پا سکتی ہے؟''

رائماوتی نے ایک گہری مسرت سے اپنے آپ کو واجو مل کے بازوئوں میں ڈھیلا چھوڑ دیا۔ اور پھر اسے محسوس ہوا کہ واجو مل کے دو بازو نہیں بلکہ چار بازو ہیں بلکہ شاید چھ بازو ہیں، آٹھ بازو ہیں۔ اور وہ اپنے جسم و جاں کے رگ و ریشے میں اس کے بازوئوں کو محسوس کر رہی تھی، جو اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگا رہے تھے اور رائماوتی نے اپنے آپ کو ان بازوئوں کے سپرد کر دیا اور اندر ہی اندر اس طرح کھلتی چلی گئی، جیسے چاندنی کے لمس سے کلی کھل کر پھول بن جاتی ہے۔ چمچماتے تاروں کے جھرمٹ میں، سبز جھالروں والے پیڑوں کی اوٹ سے چاند ابھر آیا تھا۔ اور اب چاند اس کے بالوں میں تھا۔ اس کی آنکھوں میں تھا۔ اس کے ہونٹوں میں تھا۔ اس کے دل میں تھا۔ اور لہر در لہر اس کے جوئے خوں میں رواں تھا۔ ''ہائے میرے موتی چور... میرے موتی چور... میرے میٹھے لڈو... میں تو مر گئی تیرے لئے...''

تھوڑی دیر کے بعد جب رائماوتی نے آنکھیں کھولیں تو اس کا پُر مسرت غنودگی آمیز چہرہ بتا رہا تھا کہ اس سے ابھی ابھی محبت کی گئی ہے...!

وہ شام، وہ رات رائماوتی کو کبھی نہیں بھولے گی۔ کیوں کہ وہ رات مکمل تھی اور ان دونوں کی زندگیاں مکمل تھیں۔ جیسے وقت اور عمر، چاند اور آرزو سب ایک ساتھ ایک دائرے میں مکمل ہو جائیں اور جذب کی ایک بوند بھی چھلک کر باہر جانے کی ضرورت محسوس نہ کرے۔ ایسے لمحے کب کسی کی زندگی میں آتے ہیں؟ اور جب آتے ہیں تو اس شدت سے اپنا تاثر چھوڑ جاتے ہیں کہ انسان محسوس کرتا ہے... کہ شاید میں اب تک جیا ہی اس لمحے کے لئے تھا۔ شاید کچھ اسی طرح رائماوتی نے اس لمحہ میں محسوس کیا اور پھر کبھی اس طرح محسوس نہ کیا، کیوں کہ اس واقعہ کے چند دن بعد، اس کے دفتر کا منیجر تبدیل ہو گیا اور جو منیجر اس کی جگہ آیا اسے رائماوتی سخت ناپسند کرنے لگی تھی۔ ایک تو بڑا بدصورت تھا۔ کسی زمانے میں اس کا رنگ گورا ضرور رہا ہوگا مگر اب تو پرانے تانبے کا سا تھا اور موٹی ناک پر مسلسل شراب نوشی سے نیلی وریدوں کا جال سا پھیلا تھا اور رائماوتی کو اپنے نئے منیجر کی ناک دیکھ کر ہمیشہ گمان ہوتا کہ یہ ناک نہیں ایک انجیر ہے جو ابھی باتیں کرتے کرتے اس کے سامنے پھٹ جائے گا۔ اس کے گال جبڑوں پر لٹک گئے تھے جیسے اونٹ کے ہونٹ، آنکھوں کے نیچے سیاہ گڑھے پڑ گئے تھے۔ سر کے بال اڑ گئے تھے اور جب وہ بات کرتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی بدامینڈک کسی کائی بھرے تالاب کے اندر سے بول رہا ہو۔ عجیب سی گھن آتی تھی رائماوتی کو اس سے، انتہائی کوفت ہوتی تھی۔ لیکن اس سے زیادہ کوفت اسے یہ سوچ کر ہوتی تھی کہ اس نے اس بدصورت انسان کو اس سے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ جیسے یہ صورت جانی پہچانی ہو۔ مگر کہاں؟ ذہن اور حافظے پر زور دینے سے بھی اس کی یاد نہ آتی تھی۔ (جاری ہے)

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ادبی خزانہ

بڑے ادیبوں کی شاہکار تحریروں سے انتخاب

شہزادہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

"اونہہ دیکھا ہوگا، اس مرکھلے کو کناٹ پلیس میں چکر کاٹتے ہوئے کہیں۔" رائماوتی اپنے آپ کو سمجھاتے ہوئے کہتی۔ مگر پھر کبھی وہی منیجر کسی فائل کو خود اٹھا کر رائماوتی کی میز پر رکھتے ہوئے، اپنے ہاتھوں سے ایسی جنبش کرتا کہ رائماوتی کا ذہن بے چین ہو جاتا اور وہ سوچنے لگتی۔ کون تھا وہ؟ کس سے اس کی یہ حرکت ملتی ہے۔ کیا میرے مرحوم باپ سے؟ میرے کسی بھائی سے؟ جیسے یہ حرکت مجھے کچھ... یاد دلاتی ہو؟ غور کرنے پر بھی وہ کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکتی... اور پھر اپنا کام کرنے لگتی۔ مگر دن بھر اس کے دل میں ایک خلش سی ہوتی رہتی...!

پہلی تاریخ کو جب تنخواہ بٹ چکی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو نئے منیجر نے رائماوتی کو کسی کام سے روک لیا اور اسے اپنی میز کے سامنے کرسی پر بٹھالیا۔ پھر اس نے ایک کیبنٹ کھول کر اس میں سے ایک گلاس نکالا اور وہسکی کی بوتل اور سوڈا... اور پہلا پیگ وہ غٹا غٹ چڑھا گیا۔ رائماوتی اسے حیرت سے دیکھنے لگی اور غصے سے اٹھ کر جانے لگی کہ منیجر نے نہایت نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جانے سے باز رکھا اور بولا۔

"آج جب تمہاری ترقی کی فائل میرے سامنے آئی تو مجھے معلوم ہوا کہ اس دفتر میں سب سے پرانی ملازم تم ہو، یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔"

رائماوتی چپ رہی۔

"تمہارا نام رائماوتی ہے نا...؟ منیجر بڑی بے چینی سے بولا۔

رائماوتی بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اتنے دن سے میرے ساتھ کام کر رہا ہے، کیا میرا نام بھی نہیں جانتا؟ آخر اسے کیا ہوا ہے؟

"میرا مطلب ہے..." منیجر دوسرے پیگ کا لمبا اور بڑا گھونٹ پی کر بولا: "تم وہی رائماوتی ہو نا، جس کے باپ کا نام جیون رام ہے...؟"

رائماوتی بڑی ترش روئی سے بولی: "ہاں میرے باپ کا نام بھی فائل میں لکھا ہے، پھر مجھ سے پوچھنے کی ضرورت کیا ہے؟" وہ تقریباً اٹھتے اٹھتے بولی۔

"بیٹھو بیٹھو..." منیجر نے پھر اس کی منت کرتے ہوئے کہا۔

"تم نے مجھے پہچانا نہیں؟" وہ اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"نہیں...!" وہ غصے سے بولی۔

"تم اپنے باپ کے ساتھ محلہ جنداں میں رہتی تھیں نا؟"

"ہاں۔"

"میں ایک روز تمہارے گھر آیا تھا۔ تمہیں دیکھا بھی تھا۔ تم سے باتیں بھی کی تھیں۔" بڈھے منیجر نے رائماوتی سے کہا۔ "اب تم ایک خوب صورت عورت بن چکی ہو، مگر جب تم ایسی نہ تھیں۔ جب تم ایک معمولی سی لڑکی تھیں اور میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ اور تم سے باتیں بھی کی تھیں۔"

"کب...؟ کب...؟ رائماوتی بے چینی سے بولی۔

بڈھا منیجر دیر تک رائماوتی کو دیکھتا رہا۔ آخر آہستہ سے بولا:

"میں واجو مل ہوں..."

رائماوتی سناٹے میں آگئی۔

"میں بڑا... میں بڑا بدنصیب تھا جو تم سے شادی نہ کی... میں تمہیں اچھی طرح سے دیکھ نہ سکا، سمجھ نہ سکا۔ ان چند لمحوں میں کوئی کیا جان سکتا ہے۔ کیوں کہ ایک صورت جلد کے اندر بھی تو پوشیدہ رہتی ہے... میں نوجوان تھا۔ دولت اور گورے رنگ کا لالچی۔ جو بیوی مجھے ملی، وہ دولت بھی لائی تھی اور سفید چمڑا بھی اور اس کے ساتھ ایک مغرور، بد مزاج ظالم اور بے وفا طبیعت بھی لائی تھی۔ (جاری ہے)

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ادبی خزانہ

بڑے ادیبوں کی شاہکار تحریروں سے انتخاب

شہزادہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

چند سالوں ہی میں میرے پانچ بچے ہو گئے۔ مگر لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے تھے اور میں سنتا تھا اور پیتا تھا اور دوسری عورتوں کے پاس جاتا تھا... پھر زہر... بیماری کا اور شراب کا اور ناکامی کا اور بے مہری کا، میری رگ رگ میں پھیل گیا اور میں وقت سے پہلے بوڑھا ہو گیا اور بجھ گیا... اب وہ مر چکی ہے۔ اس لئے میں اسے کچھ نہ کہوں گا۔ اور اسے کہوں بھی کیا...؟ قصور تو میرا ہے۔ میری ان آنکھوں کا جو تمہیں پہچان نہ سکیں... میری آنکھوں نے ایک ہیرا دیکھا اور پتھر سمجھ کر پھینک دیا... کیا تم مجھے کسی طرح معاف نہیں کر سکتیں؟ کیا تم مجھ سے شادی نہیں کر سکتیں؟ میری عمر زیادہ نہیں ہے۔ مجھے تو محبت بھی نہیں ملی... جس کے لئے میں ساری عمر ترستا رہا۔"

وہ کہے جا رہا تھا اور وہ پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی اور اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ اس سے کہے کہ "اب تم آئے ہو؟ بوڑھے بدصورت اور گنجے ہو کر، خوفناک بیماریوں کا شکار ہو کر... اب تم مجھ سے شادی کے لئے کہہ رہے ہو؟ مگر میں نے تو اپنی ساری زندگی تمہیں دے دی اور تمہیں معلوم تک نہ ہوا کہ میں نے اپنی ساری جوانی تمہارے تصور میں کھو دی۔ اور زندگی کی ہر بہار تمہارے خیال میں گنوا دی اور شباب کی ہر مچلتی ہوئی آرزو تمہاری ایک نگاہ کے لئے لٹا دی۔ زندگی بھر میں سڑکوں پر اکیلی چلتی رہی، تمہارے سائے کے ساتھ۔ اندھیرے پارکوں میں بیٹھی رہی تمہارے تصور کے ساتھ۔ میں نے خود اپنے ہاتھ سے خرچ کر کے تم سے ساڑھیوں کے تحفے لئے۔ تمہارا زیور پہنا، اپنی محبت کا خون کر کے سینما دیکھا اپنے ساتھ کی سیٹ خالی رکھ کر۔ میرا باپ مر گیا۔ میری ماں مر گئی، اور میں کسی کے پاس نہ گئی۔ تمہارے خیال کو حرزِ جاں بنائے ہوئے، اپنے کنوارپن کے چالیس سال، آنکھیں، کان اور ہونٹ بند کر کے تمہاری آرزو میں بتا دیئے تھے... میں کتنی خوش تھی؟ کتنی مگن تھی؟ میں نے تو تم سے کبھی کچھ نہ مانگا نہ شادی کا پھیرا، نہ سہاگ کی رات، بس... صرف ایک تصور، ایک جھلک، ایک عکسِ رخِ یار ہی تم سے مستعار لیا تھا اور تم آج اسے بھی جہنم کی چتا میں جلانے کے لئے میرے شہر میں چلے آئے ہو...؟"

مگر رائما وتی، واجو مل سے کچھ نہ کہہ سکتی۔ وہ میز پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور جب واجو مل نے اس کا ہاتھ تھامنا چاہا تو وہ غصے سے جھنجھلا گئی اور اس کا ہاتھ جھٹک کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ باہر نکل کر سیڑھیوں سے نیچے اتر گئی۔ واجو مل اسے بلاتا ہی رہا۔ وہ بھاگ کر سڑک پر جا پہنچی۔ سڑک پر اندھیرا تھا، مگر پھر بھی بجلی کی بتیوں کی اتنی روشنی تھی کہ لوگ اس کے آنسو دیکھ لیتے مگر اس نے کسی کی پرواہ نہ کی اور وہ روتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ ناصر عباس پارک کے قریب پہنچ کر وہ رکی۔ ایک لمحے کے لئے اسے خیال آیا کہ وہ پارک کے اندر جا کر، کسی پیڑ کے تنے سے سر ٹیک کر بیٹھ جائے۔ مگر پھر اس نے سوچا: "بے سود ہے، سب بے سود ہے۔ میرے خیالوں کا شہزادہ اب وہاں نہ آئے گا۔ اب وہ کبھی میرے پاس نہ آئے گا۔"

جب وہ یہ کچھ سوچ رہی تھی تو اس نے اپنی مانگ کا سیندور مٹا ڈالا اور سہاگ بندیا کھرچ لی اور پارک کی ریلنگ پر اپنی ساری چوڑیاں توڑ ڈالیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ اب وہ ساری عمر کے لئے بیوہ ہو چکی ہے۔ (ختم شد)

itsurdu.blogspot.com